التقریظ والانتقاد

"قرآن اور علمِ جدید"

از جناب صغیر احمد صاحب بی۔ ایس سی۔ بی ایڈ (علیگ)

ڈاکٹر اقبال کے خطبات جو ۱۹۲۸ء میں مدراس میں دیئے گئے تھے، کتابی شکل میں "دی کنسٹرکشن آف ریلیجس تھاٹ اِن اسلام" کے نام سے ۱۹۳۰ء میں شائع کئے گئے۔ ان خطبات کا مقصد یہ تھا کہ "مسلمانوں کا مذہبی فلسفہ اس انداز میں پیش کیا جائے کہ اسلام کی فلسفیانہ روایات کو بھی ملحوظِ خاطر رکھا جائے اور انسانی افکار کے جدید افکار سے بھی ثبوت مہیا کیا جائے"۔ اس لئے کہ "جدید انسان کی تعلیم و تہذیب اور اس کی نفسیات ازمنۂ ماضیہ سے بہت کچھ مختلف ہو گئی ہے، قدیم انداز کا فکر و ذکر اس کے لئے یقین آفرین و دل نشین نہیں رہا"، اسی سلسلہ کی ایک کڑی ڈاکٹر رفیع الدین ڈائریکٹر اقبال اکیڈمی، کراچی کی تصنیف "قرآن اور علم جدید" بھی ہے۔ جدید سائنسی فکر و فلسفیانہ نقطۂ نظر (جس کا آغاز نشاۃِ ثانیہ کے بعد ہوا) کے جلو میں ارتداد کا جو سیلاب آیا ہے اس کے تدارک کی صورت صرف یہ ہے کہ اسلام کو ایک نظامِ حکمت کی شکل میں پیش کیا جائے۔ سائنسی نظریات اور فلسفیانہ افکار میں بھی حقائق کے پہلو موجود ہیں اور دراصل وہ اسلام کے مضمرات یا متضمنات میں سے ہیں لیکن صدیوں کی ذہنی تساہلی یا فکری کوتاہی کی وجہ سے ہم اُن پر غور کرنے یا انھیں پرکھنے کی زحمت نہیں کرتے۔ چونکہ وہ سائنس یا جدید فلسفہ کی راہ سے آئے ہیں اس لئے ہم نے انھیں رد کر دیا اور جواب و طنز و تعریض یا ڈرانے دھمکانے کا طریقہ اختیار کیا جو ظاہر ہے، جدید ذہن کو مطمئن یا متاثر نہیں کر سکتا۔

فاضل مصنف کو صورتِ حال اور اس سے پیدا شدہ فتنہ کا شدت سے احساس ہے اس لئے علمی تحقیقات اور انکشافات سے اعراض کی بجائے التفات کی دعوت دی ہے اور قرآن مجید کی روشنی میں اُن پر غور کرتے

کی ضرورت پر زور دیا ہے اگر وہ افکار و نظریات قرآن کی تعلیمات کے مطابق یا اس کی رُوح سے ہم آہنگ ہیں تو مذہبی نظامِ فکر میں انھیں جگہ دینے کی ضرورت ہے، اگر متعارض یا متصادم ہیں تو علمی دلائل سے انکی تردید واجب ہے اس سے نہ صرف ان نظریات میں حق و باطل کے پہلو واضح ہو جائیں گے بلکہ ایک ایسا نظامِ حکمت بھی وجود میں آجائے گا جو خود اسلام کی، جو ایک مکمل دین ہے صحیح اور سچی تعبیر کرے گا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم یہی ہے کہ علم مومن کا گم شدہ مال ہے جہاں بھی مل جائے اُسے حاصل کرنا چاہیئے۔

کتاب کا انتساب نہایت ہی بلیغ اور معنی خیز ہے جس سے تصنیف کا مقصد کتاب کھولتے ہی واضح ہو جاتا ہے۔ یہ انتساب "مستقبل کے انسان کے نام" ہے "جو قرآنی نظریۂ کائنات کے علاوہ ہر نظریہ کائنات کو عہدِ قدیم کی جہالت قرار دے گا" فاضل مصنف نے عصرِ جدید کے تمام افکار و نظریات کا تنقیدی مطالعہ کیا ہے اور تحلیل و تجزیہ کے بعد اُن عناصر کو الگ کیا ہے جو تعلیماتِ قرآنی کے مطابق ہیں اور ان غلطیوں اور گمراہیوں کی نشان دہی کی ہے جو انھیں صداقتوں میں پیوست ہیں۔ پھر مصنف نے دکھلایا ہے کہ قرآن کی روشنی میں جب ان غلطیوں کی تصحیح ہو جاتی ہے تو یہ افکار و تصورات اسلام کے حلیف بن کر نظر آتے ہیں اور اسلامی فکر سے ہم آہنگ ہو جاتے ہیں۔

کتاب دو حصّوں میں منقسم ہے۔ ایک حصّے میں مغرب کے اُن علمی افکار و نظریات کا بیان ہے جو اسلام کو چیلنج کر رہے ہیں یعنی تجربات و مشاہدات اور سائنسی دلائل اور منطقی استدلال کی پوری قوت کے ساتھ اسلامی عقائد سے متصادم ہیں اور ذہنوں کو ارتداد کی دعوت دے رہے ہیں۔ کتاب کا دوسرا حصّہ اسی چیلنج کے جواب میں ہے۔ وہ نظریات جن کا اسلامی فکر پر گہرا اثر پڑا ہے اور کتاب میں زیرِ بحث آئے ہیں مندرجہ ذیل ہیں:۔

(۱) ڈارون کا نظریۂ ارتقا (۲) میکڈوگل کا نظریۂ جبلّت (۳) فرائڈ اور ایڈلر کا نظریۂ لاشعور (۴) مارکس کا نظریۂ اشتراکیت اور (۵) کمیاولی کا نظریۂ وطنیت۔

ڈارون کا نظریۂ ارتقا | انیسویں صدی کے وسط میں ڈارون کی کتاب Origin of Species شائع ہوئی جس نے عصری فکر کو سب سے زیادہ متاثر کیا۔ ڈارون نے سائنسی شواہد اور دلائل سے ثابت کیا کہ زمین پر سب سے پہلا جاندار جو سمندر کے کنارے کیچڑ سے نمودار ہوا تھا وہ ایک خلیہ کا جاندار امیبا تھا جس سے انسان

کا ظہور کروڑوں سال کی مدت میں ارتقا کے بیشمار مدارج طے کرنے کے بعد ہوا۔ فاضل مصنف نے دکھلایا ہے کہ قرآن مجید حقیقتِ ارتقا کی تائید کرتا ہے۔ مادی کائنات بھی یک بیک ظہور میں نہیں آگئی اُسے بھی ارتقا کے منازل سے گذرنا پڑا اور زندگی مختلف ارتقائی مراحل سے گذرنے کے بعد انسانی پیکر میں نمودار ہوئی۔

اَللّٰہُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَھُمَا فِیْ سِتَّۃِ اَیَّامٍ — اللہ وہ پاک ذات ہے جس نے کائنات کو چھ دنوں میں پیدا کیا۔

اور ایک دن کی مقدار تمہارے حساب کے مطابق ایک ہزار سال ہوتی ہے۔ فِیْ یَوْمٍ کَانَ مِقْدَارُہٗٓ اَلْفَ سَنَۃٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ۔ اور پھر ظاہر ہے ہزار سال ریاضیاتی عدد نہیں ایک محاورہ کے طور پر استعمال ہوا ہے جس سے مراد ایک طویل مدت ہے۔

یٰٓاَیُّھَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّکَ بِرَبِّکَ الْکَرِیْمِ الَّذِیْ خَلَقَکَ فَسَوّٰکَ فَعَدَلَکَ ۔ فِیْٓ اَیِّ صُوْرَۃٍ مَّا شَآءَ رَکَّبَکَ۔ — اے انسان تجھے مہربان خدا سے کس چیز نے ورغلایا جس نے تجھے پیدا کیا پھر مکمل کیا اور اعتدال پر لایا اور جس صورت میں چاہا تجھے بنایا۔

مادی ارتقا کے بعد حیاتیاتی ارتقا کی تکمیل انسانی پیکر میں ہوئی اس کے بعد ارتقا کی سمت نفسیاتی ہے یعنی نفسیاتی اور روحانی طور پر انسان ارتقار کے منازل طے کرتا چلا جائے گا۔

ڈارون کے نظریہ سے مادیت کا جو طوفان اُٹھا وہ اُس کا "سبب ارتقا" کا نظریہ ہے یعنی کشمکشِ حیات اور بقائے اصلح کا نظریہ جس سے کائنات میں خدا اور اُس کے تخلیقی نصب العین کی کوئی اصلیت باقی نہیں رہتی۔ جرمن ماہر حیاتیات ڈریش اور فرانسیسی مفکر برگساں کے حوالے سے مصنف نے ثابت کیا ہے کہ ڈارون کا یہ نظریہ سراسر غلط ہے۔ ڈریش اپنے تجربات کے بعد اس نتیجہ پر پہنچا تھا کہ "زندگی کوئی ایسی چیز ہے جو مقصد اور مدعا رکھتی ہے اور جب کبھی جاندار میں ظاہر ہوتی ہے تو جاندار کی شکل وصورت کو اپنے مقصد اور مدعا کے مطابق متعین کرتی ہے"[۵۱] برگساں نے ڈریش کے نتائج سے اتفاق کرتے ہوئے لکھا ہے "ارتقا کے وہ تمام نظریات غلط ہیں جو زندگی کی تخلیقی اور مدعائی فعلیت کی بجائے کشمکشِ حیات اور بقائے اصلح کے تصور پر

---

۵۱ قرآن اور علم جدید صفحہ ۱۶۴

مبنی ہیں ۵؎ "مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا"۔

اس سے یہ حقیقت آشکار ہوتی ہے کہ کائنات کا عدم سے وجود میں آنا اور ارتقا کے بیشمار منازل سے گذرنے کے بعد اس پر حیوانی زندگی کا ممکن ہونا پھر جاندار اور اس کی تکمیلی شکل میں انسان کا وجود پذیر ہونا اس لئے تھا کہ وہ "مقصد" درجہ بدرجہ بروئے کار آئے اور چونکہ اسی مقصد کی وجہ سے مادہ بھی ظہور میں آیا اس لئے یہ مقصد مادہ کا نہیں بلکہ "نفس" یا "شعور" کا ہے جو خلاق بھی ہے اور قدیر بھی! جدید طبیعیات کے ماہرین مثلاً آئن سٹائن، جیمز جینز وغیرہ کا بھی یہی خیال ہے کہ کائنات کا اصل مادہ نہیں بلکہ ایک شعور ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حیات و کائنات کو محض مادہ کی جلوہ گری تصور کرنا ایک غلط نظریہ ہے۔

میکڈوگل کا نظریۂ جبلت | میکڈوگل کے نظریۂ جبلت پر تنقید کرتے ہوئے فاضل مصنف نے بتلایا ہے کہ یہ صحیح ہے کہ انسان کے اعمال جبلتوں کے تحت سرزد ہوتے ہیں لیکن یہ انسان کی پوری فطرت کو متعین نہیں کرتے۔ انسان کے وہ کارنامے جو تہذیب و تمدن کا سرمایہ ہیں، عزم و ارادہ کی قوت سے ظہور میں آتے ہیں اور یہ قوت ایسی ہے جو مختلف جبلی تقاضوں کو روک کر ہی بروئے کار آتی ہے، اس لئے یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ انسان کی فطرت جبلتوں سے تشکیل پاتی ہے! میکڈوگل کا خیال ہے کہ جذبہ جبلتوں کا ہی ایک نظام ہوتا ہے جو انسان کی فطرت میں پیدائشی طور پر موجود نہیں ہوتا بلکہ جبلتوں کے بار بار ہیجان میں آنے سے بنتا ہے اور یہی اس کی بنیادی غلطی ہے۔ اسی غلطی کی وجہ سے عزم و ارادہ کی وہ کوئی معقول تاویل نہیں کر پاتا اور دوسرے اعتراضات جو اس کے نظریۂ جبلت پر وارد ہوتے ہیں اُن کا جواب اس سے نہیں بنتا۔

فاضل مصنف کی تحقیق یہ ہے کہ جبلتوں کی تہ میں جذبہ کی کارفرمائی ہوتی ہے۔ جذبہ ہی مختلف حالات میں جبلتوں کو مناسب وقت پر ہیجان میں لاتا ہے اور جذبہ صرف ایک ہے۔ محبت کا جذبہ۔ "نفرت" کوئی مستقل جذبہ نہیں بلکہ محبوب کے نقیض کے خلاف محبت کی تکمیل و اعانت کے لئے پیدا ہوتا ہے۔ انسان کا شعورِ محبت کے جذبہ کے زیر اثر ایک ایسے آئیڈیل کو تلاش کرتا ہے جو حسن و جمال کا مکمل نمونہ ہوتا ہے۔ اس لئے حسنِ مکمل یا حسنِ حقیقی کی محبت ہی انسان کے تمام اعمال کا سرچشمہ ہے۔

۵؎ ایضاً

اَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا فِطْرَةَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ

اے پیغمبر خدا کی عبادت پر یکسوئی سے قائم رہو۔ یہ وہی فطرت انسانی ہے جس پر خدا نے انسان کو پیدا کیا ہے پیدائشی تقاضے بدلا نہیں کرتے لہذا یہ دین کی پکی بنیاد ہے۔

اور حُسنِ کامل یا حسنِ حقیقی صرف اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔

قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ اَيًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى

کہو۔ خدا کو اللہ کہو یا رحمان کہو یا کسی اور نام سے پکارو اس پر کچھ موقوف نہیں۔ صرف اتنا ہے کہ تمام اچھے صفات بغیر کسی استثنار کے اللہ کے اوصاف ہیں کسی اور کے نہیں۔

اس لئے اللہ ہی انسان کا صحیح آئیڈیل ہے۔ اگر انسان غلطی سے حسن و جمال کے صفات سے کسی اور شے یا تصوّر کو متصف کرتا ہے تو وہی چیز اس کا آئیڈیل بن جاتی ہے۔

فاضل مصنف نے میکڈوگل پر تنقید کے نتائج کا خلاصہ یوں بیان کیا ہے:۔

"آئیڈیل یا آدرش کی محبت کا جذبہ انسان کے سارے اعمال کا سرچشمہ ہے۔ یہ جذبہ ایسا ہے کہ اگر انسان اس کے اظہار کا صحیح طریقہ نہ جانتا ہو تو اس کا اظہار غلط طریق سے کرتا ہے اور ایک غلط تصوّر کو اپنا آدرش بنا لیتا ہے۔ پھر خدا کی تمام صفات اس کی طرف منسوب کرتا ہے گویا وہ سچ مچ کا خدا ہے اور خدا کی صفات کا مالک ہے لیکن صحیح کامل اور سچا نصب العین اس ہستی کا تصوّر ہے جو اس کائنات کی خالق ہے، جو رب ہے، رحمٰن و رحیم ہے، حیّ و قیوم ہے، علیم و قدیر ہے، اور فرضی طور پر نہیں حقیقی طور پر تمام صفات و کمال کی مالک ہے"

کائنات اور اس کے موجودات کی تخلیق کا مقصد "خود شعوری عالم" کا ظاہر میں اپنا تحقق کرنا ہے اور انسان جو سلسلۂ تخلیق کی آخری کڑی ہے خود شعوری کائنات (اللہ کے صفات جمال و جلال سے زیادہ حصّہ پاتا ہے۔ خود شعوری تخلیق کے نچلے درجوں میں بھی جلوہ گر ہوتی ہے لیکن اُن کے وجود میں پابند یا پیوست رہتی ہے، انسان میں نظام عصبی کے مکمل ہو جانے کی وجہ سے خود شناس اور آزاد ہو جاتی ہے۔ خود شعوری دماغ کی پیداوار نہیں بلکہ خود شعوری نے دماغ کو اپنے منفذ یا معبر کے طور پر پیدا کیا ہے۔ جب یہ منفذ یا معبر پوری مقدار کو پہنچ گیا تو خود شعوری

خود شناس اور خود شعور ہو گئی یعنی اپنے آپ سے آگاہ ہو گئی اور اپنے اصل یعنی خود شعوری کائنات کی محبت و کشش محسوس کرنے لگی اور یہی محبت اور اس کے واردات انسان کے نفسیاتی ارتقا کے سبب بنے کائنات کی خود شعوری (یعنی اللہ) کا آئیڈیل انسان کامل ہے اور انسان کا آئیڈیل اللہ تعالےٰ اور دونوں طرف سے ایک دوسرے کے لئے محبت و کشش موجود ہے۔

هُوَ الَّذِي يُصَلِّي عَلَيْكُمْ وَمَلَائِكَتُهُ لِيُخْرِجَكُمْ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ ۚ فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ

فرائڈ کا نظریۂ لاشعور | فرائڈ کا قابل قدر کارنامہ یہ ہے کہ اس نے انسانی نفس کے طبقات کی دریافت کی۔ نفس کے تین طبقات ہیں۔ لاشعور، فوق الشعور اور شعور۔ انسان کے رجحانات و میلانات، تصورات و افکار اور افعال و اعمال کا اصل سرچشمہ لاشعور ہے اور اس کی شخصیت کا راز لاشعور ہی میں پوشیدہ ہوتا ہے۔ لیکن فرائڈ کی افسوسناک غلطی یہ ہے کہ وہ لاشعور کی نوعیت جنسی قرار دیتا ہے یعنی لاشعور کے تہ میں جذبۂ جنس کی کارفرمائی ہوتی ہے۔ فرائڈ کے مطابق ایک بچہ جو پیدا ہوتا ہے والدین میں جنس مخالف کے ساتھ جنسی وابستگی محسوس کرتا ہے۔ فرائڈ اس کو ابائی ابھاؤ کا نام دیتا ہے اور یہی اُلجھاؤ شخصیتوں کی محبت اور پھر مجرد حسن و خیر اور نیکی و صداقت کی محبت کا باعث ہوتا ہے۔ فرائڈ کے اس نظریہ سے اس کے شاگرد ایڈلر اور ینگ نے بھی اختلاف کیا تھا۔ اور یہ بات حیرت انگیز ہے (مضحکہ خیز بھی!) کہ ابائی ابھاؤ جس کی نوعیت جنسی ہوتی ہے۔ بالآخر حسن و صداقت، نیکی و خیر اور علم و ہنر سے کیونکر مطمئن ہوتا ہے اور اُن سے محبت اور اُن کی جستجو میں وہ راحت و آسودگی اور لطف و مسرت کیونکر حاصل ہوتی ہے جو، جیسا کہ فرائڈ بھی تسلیم کرتا ہے، جنسی تسکین سے بھی نہیں ملتی۔

لاشعور، دراصل جذبۂ حُسن پر مبنی ہے اور حسن (جو اللہ تعالیٰ کی صفت ہے) کا طالب و شیدائی ہے۔ لاشعور کو جس کی طلب یا تمنا ہے اُسے اس کا علم نہیں۔ فوق الشعور بیرونی دنیا سے ایسے تصورات جو حسن و جمال کے صفات اپنے اندر رکھتے ہیں، شعور کے سامنے لاتا ہے تاکہ لاشعور کے جذبۂ حسن کی تسکین ہو۔ اگر وہ تصور یا آدرش لاشعور کی طلب جمال کی صحیح ترجمانی نہیں کرتا تو پھر دوسرے تصورات کی تلاش ہوتی ہے۔ انسان کی سعی تاریخ ایسے ہی تصورات و اندازوں سے عبارت ہے۔ لاشعور کو اگر ہر بار مایوسی ہی ہوتی ہے تو "شعور" پر اس کا اعتماد باقی نہیں رہتا اور پھر وہ کشمکش شروع ہو جاتی ہے جو نفسیاتی اُلجھاؤ اور بسا اوقات جسمانی بیماریوں کا باعث بنتی ہے۔

اسی لئے فرائڈ تحلیل نفسی کے ذریعہ بیماریوں کے علاج کا قائل تھا۔ لیکن اس سے فرائڈ کے نظریۂ جنس کی تائید نہیں ہوتی یہ وہی طریق کار ہے جو صوفیاء کرام اختیار کرتے ہیں اور توبہ و استغفار اور ذکر و عبادت (توبہ و استغفار سلبی طریقۂ کار ہوا کہ شعور نے جو غلطیاں کی تھیں جن سے لاشعور کو صدمہ پہنچا تھا اس پر ندامت اور ذکر و عبادت ایجابی طریقۂ کار ہوا کہ اس سے لاشعور کے جذبۂ حسن و جمال کو اطمینان و تشفی ہوتی ہے) کا ذوق و شوق پیدا کرکے بیماریوں کا علاج کرتے ہیں[5] اور انسان کو نفسیاتی ارتقا کے منازل سے گذارتے ہوئے اس مقام تک پہنچا دیتے ہیں جہاں خدا بندے سے خود پوچھتا ہے "بتا تیری رضا کیا ہے" تصوف و سلوک کی تاریخ میں اس قسم کی مثالوں کی کمی نہیں۔ نفس مطمئنہ وہی ہے جس میں شعور لاشعور کے جذبۂ حسن (یعنی اللہ کی محبت کا جذبہ) کی صحیح اور سچی نمائندگی کرتا ہو۔ يَا أَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِي إِلَىٰ رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً فَادْخُلِي فِي عِبَادِي وَادْخُلِي جَنَّتِي

مارکس کا نظریۂ اشتراکیت | ڈاروِن کے نظریہ "سبب ارتقا" کے غلط ثابت ہو جانے کے بعد کسی ایسے فلسفۂ حیات کی گنجائش باقی نہیں رہتی جو حیات و کائنات کی فقط مادی توجیہ کرتا ہے۔ مارکس کا نظریۂ اشتراکیت ابتدا میں اقتصادی مساوات اور حقوق طلبی کا ایک لائحۂ عمل تھا لیکن اس کی تعمیر مستحکم کرنے کے لئے مارکس اور اس کے رفیق کار اینگلز نے اس کی اساس ایک ہمہ گیر فلسفۂ حیات پر رکھی جس میں خدا اور روح کا نہ صرف یہ کہ کوئی تصور ہی نہیں بلکہ ایک اشتراکی نظام کے قیام میں یہ تصورات حارج ہوتے ہیں۔ اُن کے نزدیک اخلاقی اقدار کی کوئی مستقل حیثیت نہیں ہوتی بلکہ معاشی حالات کے تحت پیدا ہوتے ہیں۔ دراصل یورپ میں سائنسی افکار نے اشتراکیت کے مادی اور الحادی فلسفہ کے لئے سازگار فضا مہیا کر دی تھی۔ لیکن جدید طبیعیات و حیاتیات کی روشنی میں کائنات کی خود شعوری کی تحقیق کے بعد مارکس کے فلسفہ کی بنیاد ہی ختم ہو جاتی ہے۔

جہاں تک اقتصادی مساوات کا سوال ہے اس کی تعلیم خود اسلام نے بھی دی ہے لیکن یہ ارتقائے انسانی کی آخری منزل یا معراج نہیں ہے بلکہ اس لئے ہے کہ فرد کی خود شعوری کی ترتیب و تکمیل کی راہ کی رکاوٹیں دور ہوں اور خود شعوری کائنات کے صفات جمال و جلال کو جذب کرنے اور تَخَلَّقُوا بِأَخْلَاقِ اللّٰهِ کے لئے

---

[5] اس سلسلہ میں ڈاکٹر میر ولی الدین کا مقالہ "اگر میں طبیب ہوتا" جسے ہمدرد دواخانہ دہلی نے ایک رسالہ کی شکل میں شائع کیا ہے اور جو غالباً وہاں سے مفت ملتا ہے پڑھنے کے لائق ہے۔ (ص)

زیادہ سے زیادہ موقعہ فراہم ہو۔ حضرت بابا فرید گنج شکرؒ نے فرمایا عام طور پر پانچ ارکان مشہور ہیں لیکن درحقیقت چھ ہیں۔ چھٹا رکن روٹی ہے اور یہ بہت اہم رکن ہے جس کے گر جانے سے باقی پانچ کی بھی خیریت نہیں رہتی۔ لیکن طلبِ رزق میں زیادہ انہماک ہو جائے تو بھی اخلاقی اور روحانی زندگی خطرہ میں پڑ جاتی ہے۔

اسلام بھی شخصی ملکیت کی جگہ اجتماعی ملکیت کی تعلیم دیتا ہے۔ اُس کی تعلیم یہ ہے کہ ضرورت سے زیادہ جو کچھ بھی ہو، ضرورت مندوں کے حوالہ کر دو۔ زکوٰۃ کی معروف شکل یعنی فالتو جمع شدہ مال کا چالیسواں حصہ اجتماعی ملکیت کی پہلی منزل ہے اور اُس کا آخری منشا یہ ہے کہ فرد کو روحانی طور پر اس بات کے لئے تیار کیا جائے کہ وہ اپنی دولت میں دوسرے بھائیوں کو مساوی طور پر شریک کر سکے۔ اسلام کی اجتماعی ملکیت کی آخری منزل وہ ہے جس میں نہ کوئی مفلس ہو نہ کسی کے پاس فالتو دولت! اس قسم کی روحانی تربیت کے لئے قانون اور جبر کی بھی ضرورت ہو سکتی ہے اور مصنف نے واضح طور پر یہ خیال پیش کیا ہے جس طرح زکوٰۃ کے استحصال کے لئے حکومت اپنے اختیارات کا استعمال کر سکتی ہے؟ اسی طرح فالتو دولت کو ملّی ملکیت بنانے کے لئے قانون کی مشنری کو حرکت میں لا سکتی ہے لیکن رُخ اُس کا فرد کی خود شعوری کی تہذیب و تربیت کی طرف ہونا چاہیئے اس لئے کہ بقول اقبالؔ ۔

وہ ملّت، روح جس کی "لا" سے آگے بڑھ نہیں سکتی
یقین جانو ہوا لبریز اس ملت کا پیمانہ

صفحات بالا میں کتاب کا مرکزی خیال پیش کرنے کی میں نے کوشش کی ہے اس سے مصنف کا نقطۂ نظر اور مباحث کی نوعیت کا اندازہ ہوا ہوگا۔ باقی تفصیلات و تشریحات کے لئے تو اصل کتاب ہی کی طرف رجوع کرنا ہوگا۔ فاضل مصنف نے جن افکار و نظریات پر روشنی ڈالی ہے اُن پر اُن کی نظر ماہرانہ اور عالمانہ ہے۔ جدید علوم کے ساتھ ساتھ قرآن مجید میں اُن کی بصیرت اور نکتہ سنجی کی داد دینی پڑتی ہے۔ کتاب کا اندازِ بیان خالص علمی ہے اور طرزِ استدلال دل نشین و موثر۔ چونکہ سائنس (طبیعیات، حیاتیات) نفسیات اور سیاسیات کے جدید نظریات زیرِ بحث آتے ہیں اس لئے ہو سکتا ہے ان علوم کے طرزِ استدلال سے واقف نہ ہونے کی وجہ سے بعض لوگوں کو دقّت اور اُلجھن پیش آئے لیکن مطالعہ انشاء اللہ مفید اور بصیرت افروز

ہی ثابت ہوگا۔

کتاب قدیم وجدید دونوں ہی مکتب خیال کے لوگوں کے مطالعہ کے لائق ہے۔ ہوسکتا ہے کہ علماء اسلام جو زیادہ تر قدیم علوم اور طرز فکر کے شناور ہیں، نئے افکار و نظریات سے پورے طور پر واقف نہ ہونے کی وجہ سے کتاب کے چند مقامات پر الجھن محسوس کریں اور بعض مذہبی عقائد (مثلاً تخلیق آدم) کی جو تشریح مصنف نے کی ہو اس سے اختلاف کریں لیکن اس سے مصنف کے نقطۂ نظر یا انداز فکر کی معقولیت پر حرف نہیں آتا۔ جدید علوم و افکار میں جو حقائق پوشیدہ ہیں انھیں مذہبی عقائد کی تشریح و توجیہہ میں جگہ دینی ضروری ہے ورنہ مذہب کی اپیل ختم ہو جائے گی۔ جدید طرز پر سوچنے والوں کو بھی کتاب کا مطالعہ سنجیدگی کے ساتھ کرنا چاہیئے۔ مادیت کا طلسم اب ٹوٹتا جا رہا ہے اور اس کی علمی بنیاد ختم ہوتی جا رہی ہے، اس کی جگہ ایک ایجابی اور جامع فلسفۂ حیات کی ضرورت ہے۔ کتاب کا مطالعہ اس ضرورت کو انشاء اللہ پورا کرے گا۔

ایک طالب علم کی حیثیت سے مطالعہ کرتے وقت کتاب میں ایک کمی محسوس ہوئی وہ یہ کہ جن کتابوں سے اقتباسات دیئے گئے ہیں یا جن مصنفین کا حوالہ دیا گیا ہے ان کی کتابوں کا نام اور وہ مضمون جس صفحہ پر ہے اس کا نمبر دینے کا التزام نہیں رکھا گیا ہے، اسی طرح قرآنی آیات میں سورۃ اور آیت کا نمبر دینے سے اس آیت کو اس کے سیاق و سباق میں دیکھنے اور سمجھنے والوں کو آسانی ہوتی۔ جدید رنگ کے تصنیف میں یہ کمی ایک بڑی کمی معلوم ہوتی ہے۔

بہرحال کتاب علوم و معارف کا ایک خزانہ ہے جس سے ہر پڑھا لکھا شخص بقدر استعداد مستفید ہو سکتا ہے۔ راقم السطور کے نزدیک تو کتاب بصیرت افروز بھی ہے اور ایمان پرور بھی! جزاک اللہ

غبارِ خاطر

حضرت مولانا ابوالکلام آزادؒ کے زمانۂ اسیری قلعہ احمد نگر ۹ اگست ۱۹۴۲ء تا جون ۱۹۴۵ء کے بعض علمی و ادبی خطوط کا مجموعہ۔ مکمل ایڈیشن۔ قیمت چھ روپے۔ مکتبہ برہان اردو بازار جامع مسجد دہلی ۶